(غلام گردش)

معتوب سوچ!

سید صاحب نے سگریٹ سلگایا۔ گہرا کش لیکر کہنے لگے کہ لکھنا، بولنا کوئی مشکل کام نہیں۔ متعدد لوگ بہترین مضامین، کتابیں، کالم لکھتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ افراد، مدلل طریقے سے فنِ تقریر پر عبور رکھتے ہیں۔ قادرالکلام ہوتے ہیں۔ لوگ انکے جملے سنکر سر دھنتے ہیں۔ مگر غور کرو تو اندازہ ہوتا ہے کہ چند ہفتوں بعد انکی کوئی کہی یا لکھا ہوا جملہ یاد نہیں ہے۔ وقتی پذیرائی اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ سید صاحب کی بات میں کوئی دلچسپ عنصر محسوس نہیں ہوا۔ مکالمہ جاری رہا۔ ہم دونوں، کالونی کے پارک میں واک کر رہے تھے۔ سید صاحب سے ملاقات کوئی ایک ڈیڑھ سال سے جاری ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ واک کرنے جاتا ہوں، تو شاہ صاحب بھی تندہی سے ورزش کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ ہم دونوں خاموشی سے چالیس پچاس منٹ پیدل چلتے ہیں اور اسکے بعد گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ سید صاحب، کم بولتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خاموش رہتے ہیں۔ دھیمے انداز میں کہا کہ جو لوگ رائے عامہ کے مطابق خیالات کو ڈھال لیتے ہیں، وہ کوئی بڑا یا نیا کام نہیں کرتے۔ ننانوے فیصد لوگ وہی کہتے اور لکھتے ہیں، جو لوگوں کو پسند ہو۔ مگر یہ وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ دل رکھنے کیلئے پوچھ لیا کہ سید صاحب، فرمایئے کہنا کیا چاہتے ہیں۔ ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اصل لکھاری، دانشور، شاعر، سیاستدان، عالم وہ ہوتے ہیں، جو کسی بھی مقبول سوچ کے متضاد لکھنے یا اظہار خیال کی ہمت رکھتے ہوں۔ وہ لکھتے ہیں، جسے درست سمجھتے ہیں۔ بڑے لوگ، وہ بولتے ہیں، جو انکی دانست میں درست ہوتا ہے۔ عام آدمی ان لوگوں سے بالکل متفق نہیں ہوتے۔ اکثر اوقات عامیانہ گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔ انہیں معاشرے میں معتوب گردانا جاتا ہے۔ غور سے شاہ صاحب کی گفتگو سن رہا تھا۔ اگر انکی باتوں میں دلیل ہے، سچ ہے اور حقیقت ہے، تو رائے عامہ کے خلاف ہونے کے باوجود، وہ لوگ، وقت کی کسوٹی پر کامیاب قرار دیے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب اُٹھے اور چل دیے۔ انکی کہی ہوئی باتوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ یہ بات بالکل درست نظر آئی کہ جو لوگ معتوب ٹھہرائے گئے مگر انکی فکر اور سوچ درست تھی، تو وقت نے انہیں بھلایا نہیں۔ کیونکہ اصل جوہر ہی رائے عامہ کے خلاف لکھنا ہے۔ لیکن شرط صرف ایک کہ جو کچھ سوچا، لکھا اور بولا جا رہا ہے، وہ سچ اور صرف سچ کی بنیاد پر ہو۔ اس میں ذاتی منفعت یا شہرت پانے کی خواہش نہ ہو۔ یعنی جو ذہنی خیالات، ظاہری اور باطنی حقیقت سے کشید ہو کر باہر آتے ہیں، وقت کی بھٹی انہیں کندن بنا دیتی ہے۔

سترویں اور اٹھارویں صدی کے مابین، بلھے شاہؒ، حد درجہ معتوب انسان تھا۔ اپنے آبائی شہر یعنی قصور میں رہنے کی اجازت تک نہیں تھی۔ وجہ بالکل سادہ۔ بلھے شاہؒ اس وقت کی سیاسی، سماجی، مذہبی روایات کے حد درجہ خلاف لکھتا تھا۔ مغل دور کے آخر میں ہر طرف بدامنی اور تباہی تھی۔ بلھے شاہؒ پنجابی زبان میں کمال شاعری کرتا تھا، جس میں انسان دوستی، عورتوں کے حقوق، ذات پات سے بغاوت اور وہ نکات بھی تھے، جنکے متعلق بات کرنی تو دور سوچنا تک محال تھا۔ بلھے شاہ پوری عمر در بدر رہا۔ مرنے کے بعد جنازہ پڑھانے سے تمام علماء نے انکار کر دیا۔ نمازِ جنازہ کسمپرسی میں ادا کی گئی۔ روایت ہے کہ چند خواجہ سرا اور اسی قبیل کے لوگوں نے تدفین کی۔ مگر آج دیکھیے۔ بلھے شاہ کی شاعری، ایک فلسفہ کا درجہ رکھتی ہے۔ دنیا کی اَن گنت زبانوں میں اس معتوب شخص کی شاعری کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ صرف

اسلیے کہ آج سے تین صدیاں پہلے وہ شخص بات ٹھیک کر رہا تھا۔ اسکا بیانیہ سماجی، سیاسی سچ پر قائم تھا۔ یہ مثال اسلیے دی کہ ہمارے معاشرے میں وہ تمام لوگ جو منفرد بات کرتے ہیں، انہیں ذلیل کرنے کی بھرپور کوشش کیجاتی ہے۔ جیت کس کی ہوتی ہے، یہ وقت بار ہا بتاتا ہے اور بتاتا رہیگا۔

فکری سفر میں آگے آیئے۔ سرسید کے علمی کام پر نظر ڈالیے۔ جب انہوں نے کہا کہ مسلمان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک انگریزی زبان میں دورِ حاضر کے علوم پر دسترس حاصل نہیں کرتے۔ تو شائد کم لوگوں کو یقین آئیگا کہ انکے ساتھ کیا ادنیٰ سلوک کیا گیا۔ 1857 کی جنگ میں عمومی سوچ اور رویوں کے مکمل متضاد طور پر، سرسید نے فرنگی خواتین، بچوں اور خاندانوں کی حفاظت کی۔ سرسید کو اپنی سوچ اور عمل کی بے حد بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ مسلمان حلقوں کی اکثریت انکی بھرپور مخالفت کرتی تھی۔ انہیں سرِ عام گالیاں دی جاتی تھیں۔ بے عزتی کیجاتی تھی۔ علی گڑھ کالج کو بھرپور طریقے سے ''شیطان کا جال'' قرار دیا جاتا تھا۔ ہاں، ایک اور بات۔ انہیں کافر بھی قرار دیا گیا تھا۔ مگر وقت نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کا دور اس وقت سے شروع ہوا، جب انگریزی تعلیم نے انہیں وہ فکری طاقت دی کہ ہندوستان میں اعلیٰ نوکریوں اور دیگر میدانوں میں آگے نکلنے لگے۔ پاکستان کی تحریک پر نظر ڈالیے۔ قائداعظم کے ساتھ اگر علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء جان و دل سے کھڑے نہ ہوتے، تو شائد ہماری غلامی کا سفر مزید طویل ہو جاتا۔ وقت نے ثابت کیا کہ سرسید معتوب سوچ کے حامل تھے۔ مگر درست بات کر رہے تھے۔ کسی بھی غیر متعصب شخص سے دریافت کیجئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی کی بنیاد سرسید کے علاوہ کسی نے نہیں ڈالی۔ مسلمان خواتین کو جدید تعلیم دیکر میدان عمل میں لانے کا سہرا بھی علی گڑھ یونیورسٹی کو جاتا ہے۔ اس سے پہلے، مسلمان عورتوں کی فکری حالت کیا تھی۔ اس پر صرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔ بات کرنی قدرے مشکل ہے۔ یہ سب کچھ اپنے زمانے کے متعدد حلقوں میں معتوب ترین آدمی یعنی سرسید نے کر کے دکھایا۔

موجودہ دور کی طرف آجایئے۔ ہمارے اندورنی مسائل اپنی جگہ پر۔ مگر کیا دنیا کے دیگر ممالک سے ہمارے تعلقات واقعی قومی مفاد کے طابع ہیں۔ اکثر اوقات یوں لگتا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی، ملک کے مفاد سے نفی کے طور پر بنائی جاتی ہے۔ ہم تمام دنیا سے لڑنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ کسی معاشی، عسکری، سماجی، سیاسی برتری کے بغیر ہم وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، جس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اسرائیل کے متعلق بات کرنا مکمل طور پر شجرِ ممنوعہ ہے۔ پاکستان کی واضح اکثریت اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بھرپور خلاف ہے۔ مگر جب آپ یہ بات کہتے ہیں کہ سعودی عرب تک اسرائیل سے بہترین تعلقات رکھتا ہے۔ ترکی جسے ہم، اپنا بھائی قرار دیتے ہیں۔ اسرائیل سے انتہائی قریبی سفارتی تعلقات کا حامل ہے۔ ترکی کا صدر صرف اور صرف تقاریر کر کے مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسرائیل سے سفارتی دوری کا بھرپور فائدہ ہمارے دشمن ممالک اُٹھا رہے ہیں۔ دو ہفتے پہلے، لائن آف کنٹرول پر ہمارے خلاف شارٹ رینج اسرائیلی میزائل پہلی بار استعمال ہوئے ہیں۔ ہندوستان، اسرائیل کی مدد سے ہمیں ہر طرف سے گھیر چکا ہے۔ ان حالات میں اسرائیل سے دشمنی کو کم کرنا عین دانشمندی ہے۔ مگر آپ یہ بات کریں تو پورا ملک جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ٹھنڈے طریقے سے دریافت کریں کہ جب اسرائیل سے منسلک تمام مسلمان ممالک اسکے ساتھ شیر و شکر ہیں، تو اس ملک سے ہماری کیا دشمنی۔ اسکا حد درجہ

عامیانہ جواب یہ کہ اسرائیل، فلسطینیوں سے بھیانک سلوک کررہا ہے۔ درست ہے۔ فلسطینی عرصے سے یہودی ظلم کا شکار ہیں۔ مگر دلیل پر بات کریں تو ہمیں چین سے بھی سفارتی تعلقات ختم کردینے چاہییں۔ کیونکہ وہاں اوگر مسلمانوں سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا ہے۔ انہیں کیمپوں میں رکھا جارہا ہے۔ انکی نسل کشی کی جارہی ہے۔ مگر نہیں۔ اس پر ہم کوئی بات کرنے کو تیار نہیں۔ ہاں، ایک بہت بڑا سچ، جب بھی اہم ترین لوگ دردن خانہ گفتگو کرتے ہیں۔ تو مانتے ہیں کہ اسرائیل کو اپنا دشمن بنا کر اپنا بھاری نقصان کررہے ہیں۔ مگر جب یہی لوگ پارلیمنٹ، عوامی جلسوں اور میڈیا یا ٹاک شوز میں جاتے ہیں، تو بھرپور طریقے سے اپنے نجی بیانیے کی نفی کرتے ہیں۔ ریفرنڈم کروا کر دیکھ لیجئے۔ عوام کی اکثریت اسرائیل کے خلاف ہے۔ مگر وجوہات پوچھیں کہ کیوں خلاف ہیں تو ایک خاموشی کی سی کیفیت طاری نظر آتی ہے۔ کوئی سیاسی جماعت اتنا بڑا سیاسی رسک نہیں لے سکتی کہ ملکی قومی مفاد کے تحت اسرائیل کے ساتھ ایک مثبت سفارتی رویہ رکھے۔ لوگ اس وزیراعظم کو نکال باہر کرینگے۔ یہ سچ کا ایک رخ ہے۔ مگر دلیل کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کرتا۔ جذباتیت، ہیجان اور غیر عملیت پسندی سے مغلوب ہوکر، اکثریت کبھی کسی حکومت کو اجازت نہیں دیگی کہ وہ ایک دشمن ملک یعنی اسرائیل سے مثبت روابط رکھنے کی کوشش کریں۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ہماری خدمت کرنے کی کوشش کی ہے یا ہمیں دنیاوی راحتیں دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اسے حد درجہ معتوب قرار دیا ہے۔ قائداعظم جیسا عظیم انسان، جسکی بدولت ہم آزادی کے جھنڈے تلے سانس لے رہے ہیں۔ آپ ذرا اس دور کے حد درجہ طاقتور مسلمان حلقوں کی باتیں یاد کریں۔ کون سی گالی ہے جو اس عظیم آدمی کو نہیں دی گئی۔ انکی ذاتی زندگی کو تضحیک کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو۔ انکا مذاق اُڑایا گیا۔ کانگریس کی بات نہیں کررہا۔ وہ تو ویسے ہی قائداعظم کے خلاف تھی۔ مسلمانوں کی بات کررہا ہوں۔ انہیں ''کافرِ اعظم'' کا خطاب دیا گیا۔ مگر اس عظیم آدمی کی حد درجہ مثبت سوچ نے ہمیں ایک بہترین ملک عطا کیا۔ یہ الگ بات کہ ہمارے عامیانہ رویوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی۔ بلکہ شدید ناقدری کی۔ کئی دن سے سوچ رہا ہوں۔ کہ اگر واقعی ہمارے لیے معدودے چند لوگوں نے کارنامے انجام دیے ہیں، تو وہ سارے معتوب گردانے گئے۔ شاہ صاحب کی بات کم از کم مجھے تو درست معلوم ہوتی ہے۔ یہ معتوب سوچ ہی معاشرے میں مثبت تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔

راؤ منظر حیات